اصول فقہ اسلامی

عرف و عادت کا شرعی احکام میں اعتبار

مولانا مفتی نعمت اللہ حقانی

استاد جامعہ المرکز الاسلامی بنوں

فہرست ذیلی عنوانات مقالہ

(1) تمہیدی کلمات
(2) عرف کا لغوی مفہوم
(3) عرف کا ثبوت
(4) تسامح
(5) روایت کی تعدیل
(6) عرف کی شرعی حیثیت
(7) عرف کا فقہاء کے ہاں اعتبار
(8) عرف کی تبدیلی کے چند نظائر
(9) سوال و جواب
(10) عرف کا اعتبار کب؟
(11) عرف کی اقسام
(12) عرف کی تبدیلی سے مفتی کو واقف ہونا چاہئے

تمہیدی کلمات:- حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی سب سے بڑی خصوصیت مسائل زندگی کی بابت عدل واعتدال ہے، شریعت اسلامی کا مزاج یہ نہیں ہے کہ وہ وضعی قوانین کی طرح ہر روز اور ہر آن تبدیلی قبول کرتی رہے اور ایک بات خواہ کس قدر بھی نامعقول، مصالح اور اخلاقی قدروں کی مغائر ہو، لیکن اگر اس نے رواج کا درجہ حاصل کرلیا ہو، لوگ اس کو برتنے لگے ہوں تو اس کو بہر حال قبول کرلیا جائے۔ یہ مصالح انسانی کی رعایت نہیں بلکہ مفاسد کے سامنے سپر انداز ہونا ہے اور اسلام اس کی کسی طور پر اجازت نہیں دیتا تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو قانون زندگی کے ساتھ چلنا چاہتا ہو اور اپنی ابدیت، دوام اور استمرار کا مدعی ہو اس کیلئے ایک خاص حد میں سماجی روایات ورواجات اور عرف کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی میں بہت سے احکام کی بنیاد عرف پر رکھی گئی ہے۔ قرآن وسنت، آثار صحابہ اور قیاس سے عرف وعادت کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور اس کے معتبر ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ درج ذیل مقالہ میں عرف کی اسی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے عام افادیت کے پیش نظر نذر قارئین ہیں۔

عرف کا لغوی مفہوم: عرف کا لغوی معنی ہے ادراک کرنا، کسی شی کو حواس کے ذریعے جاننا، اور اصطلاح میں **ماتعارف علیه الناس فی عاداتهم و معاملاتهم** (القاموس الفقہی ص ۲۴۹) عرف وہ ہے جس پر لوگ اپنے عادات ومعاملات میں عمل کرے۔

حنفیہ کے ہاں عرف **مااستقرت النفوس علیه بشهادة العقول و تلقته الطباع بالقبول** (القاموس الفقہی ص ۲۴۹) وہ جو عقل کی گواہی سے دل اسپر جم جائے اور فطرت اس کو قبول کرے۔

عرف وعادت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہے تاہم مفہوم کے حوالے سے دونوں میں اختلاف ہے ان العادة مأخوذة من المعاودة فهی بتکرر معاودتها مرة بعد اخری صارت معروفة مستقرة فی النفوس متلقاة بالقبول من غیر علاقة ولاقرینة حتیٰ صارت حقیقة عرفیة فالعادة والعرف یمعیٰ واحد من حیث المصادق وان اختلفا من حیث المفهوم (رسائل ابن عابدین ص ۱۱۴/۱) شرح التحریر میں لکھا ہے عادت نام ہے کسی کام کے عقلی رابطہ کے بغیر بار بار کئے جانے کا۔

عرف کا ثبوت:- شرعی مسائل میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور کئی مسائل کی بناء اسی پر رکھی گئی ہے۔ اور اس کو حجت مانا گیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی اور علامہ مرغینانی نے ھدایہ باب الاجارۃ الفاسدۃ میں لکھا ہے **(قال علیه السلام ما راٰهُ المسلمون حسناً فهو عندالله حسن** (شرح عقود ص ۹۴) جسکو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے لہذا جب کسی عمل میں لوگوں کی عادت بڑھ جائے تو یہ اسکی جواز کی دلیل ہے۔

تسامح:- اس حدیث کو بہت سارے فقہاء نے مرفوعاً آپ سے نقل کیا ہے لیکن علامہ جمال الدین زیلعی اس تسامح کی تردید میں کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں **غریب مرفوعاً ولم اجده الا موقوفا علی ابن مسعودؓ وله طرق** (نصب الرایہ ۱۳۳/۴) یہ حدیث مرفوعاً غریب ہے میں نے اسکو نہیں پایا مگر عبداللہ بن مسعود پر موقوف اور اسکے کئی طرق ہیں۔ ان طرق میں ایک

طرق مسند احمد میں امام احمد بن حنبلؒ نے ذکر کیا ہے **عن عبداللہ بن مسعود قال ان اللہ نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ فما راٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن وما راٰہ سیئاً فھو عنداللہ سیئی)** عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالی نے اپنے عباد کے قلوب کو دیکھا تو صحابہ کے دلوں کو دیگر عباد کے دلوں سے بہتر پایا، تو انکو اپنے نبی کے وزراء بنایا جو اللہ تعالی کے دین کیلئے لڑے پس جسکو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے ہاں اچھا ہے، اور جسکو مسلمان برا سمجھے وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔ (مسند احمد بحوالہ نصب الرایہ ۱۳۳/۴)

روایت کی تعدیل :- امام حاکم نے بھی اس روایت کو مسند احمد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے بعد میں فرماتے ہیں (صحیح الاسناد لم یخرجاہ مستدرك للحاكم(۳ /۶۸) حدیث صحیح الاسناد ہے اگر چہ شیخین نے ذکر نہیں کیا ہے۔ حافظ ذھبی نے مستدرک میں روایت کی تصحیح کی ہے۔ امام ابوداؤد الطیالسی نے اس روایت کو دوسرے طرق سے ذکر کیا ہے کچھ تغیر و تبدل کیساتھ سئی کی جگہ قبیح ہے اور مسلمون کی جگہ مئومنون مذکور ہے (مسند ابوداؤد الطیالسی ۱۳۳) اگر چہ اس طریق میں مسعودی ہے جسکو امام زیلعیؒ نے ضعیف کیا ہے (نصب الرایہ ج ۴) لیکن روایت کی تائید کے لئے مئوید بن سکتا ہے۔

ازالہ :- فقہاء کرام نے اس کو مرفوعاً ذکر کیا ہے شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ یہ چونکہ عبداللہ بن مسعود کا قول نہیں ہے اور اسمیں دلیل شرعی بھی ہے اسلئے صحابی کا ایسا قول اگر چہ مرفوع حقیقی نہیں لیکن مرفوع حکمی کے حکم میں ضرور ہے شاید مرفوع حکمی کی وجہ سے انھوں نے اسکو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

عرف کی شرعی حیثیت :- مذکورہ حدیث نے یہ ثابت کر دیا کہ جس اچھے اور غیر منصوص امر کو مسلمان اچھا سمجھے تو وہ عنداللہ بھی اچھا ہوتا ہے اسلئے انہی کی رائے کے مطابق دین کا ایک مسئلہ حل ہوسکتا ہے چونکہ انسانی فطرت اسکو آسانی سے قبول کرتی ہے اسلئے شریعت مقدسہ نے اس کو ایک اہم مقام عنایت فرمایا جبکہ بسا اوقات کسی مسئلہ کی جواز و عدم جواز میں اسکو بنیادی کردار ادا کرنے کا حق دیا ہے یہاں تک کہ کسی عرف کی تبدیلی سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اس کی نظائر آپ ﷺ کی وفات کے بعد فوراً نظر آنے لگے۔ چنانچہ جب دور صدیق اکبر میں مخالفین زکوۃ نے سر اٹھایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے انکے خلاف جہاد کا حکم دیا صحابہ اولاً تو مخالف تھے لیکن پھر حالات نے انکو تائید کرنے پر مجبور کیا اسیطرح جنگ یمامہ میں کافی تعداد میں قراء صحابہ کرام شہید ہوئے تو صحابہ کرام نے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کا فیصلہ عرف و حالات سے مجبور ہو کر کیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ خود فرماتے ہیں جب جمع قرآن کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تو آپ نے دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا۔ (کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ) لیکن عرف و حالت کی تبدیلی سے مجبور ہو کر آخر کار صحابہ کرام قرآن جمع کرنے پر آمادہ ہوئے اگر چہ رسول ﷺ کے زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ نے بھی حالات کی تبدیلی کو منشاء اور بنیاد بنا کر جمع قرآن کی رائے دی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں کئی ایسے نظائر موجود

تھے کہ بے شمار مسائل عرف کی روشنی میں حل کئے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب مسائل کی کثرت ہوئی تو فقہاء کرام نے ان کے حل کیلئے مختلف اصول وضع کئے ظواہر نے مسائل کا حل صرف کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع کے ظاہری الفاظ و معنی تک محدود رکھا دیگر مجتہدین نے اپنے اپنے صوابدید کے مطابق حالات کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے اصول مقرر کئے چنانچہ شوافع نے ان تینوں کے علاوہ قیاس اور استصحاب الحال کو ضروری سمجھا۔ اور حنابلہ نے المصالح المرسلہ اور الذرائع کے نام سے الگ الگ اصطلاحات قائم کئے اور احناف نے استحسان و عرف کو ان نئے مسائل کے حل کا ذریعہ سمجھا۔

قبولیت عرف کیلئے شرائط :- عرف و عادت مطلقاً مقبول نہیں۔ جو عرف عند الشرع مقبول ہو اس کو مادہ یعنی اصل کی حیثیت حاصل ہے۔ فقہاء کرام نے اس کے لئے چند شرائط ذکر کئے ہیں۔

۱۔ وہ عرف منصوص حکم کے معارض نہ ہو۔

۲۔ معاشرے میں اس کو ایسا مقام حاصل ہو کہ اس کا کرنا اشد ضروری ہو۔

۳۔ وہ عرف معاشرے میں عام اور غالب ہو۔

۴۔ اس حکم کے وقت وہ عرف موجود ہو۔ جس کو اصطلاح فقہ میں عرف مقارن بورود النص کہا جاتا ہے۔

۵۔ متعاقدین اس عرف کے خلاف کوئی معاہدہ یا شرط نہ لگائیں۔ (اسلام کے مبادی اصول ص ۱۹۱)

نوٹ (الف) عرف عام سے حدیث اور قیاس کی تخصیص جائز ہے لیکن عرف عام کی وجہ سے نص کا بالکلیہ ترک جائز نہیں۔

(ب) عرف خاص حدیث یا قیاس کیلئے مخصص نہیں ہوسکتا۔ البتہ کسی قیاس یا حدیث کی تخصیص کئے بغیر اس پر عمل ہوسکتا ہے۔

عرف کا فقہاء کے ہاں اعتبار:- اس لئے فقہائے کرام نے اس کو مسائل کے حل کیلئے فیصلہ کن چیز قرار دی ہے اور قاعدہ مقرر کیا کہ **العادۃ محکمۃ** عادت فیصلہ کن چیز ہے۔ اور علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ **والعرف فی الشرع له اعتبار ولذا علیه الحکم قد یدار** شریعت میں عرف کا اعتبار ہے اسی وجہ سے کبھی اس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے۔

اور علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ **واعلم ان اعتبار العادة والعرف یرجع الیه فی الفقه فی مسائل کثیرة حتی جعلوا ذلک اصلا فقالوا فی الأصول فی باب ما تترک به الحقیقة تترک الحقیقة بدلالة الاستعمال والعادة** (الاشباہ والنظائر ۱/۶۹۵) اور جان لو کہ بیشک عادت اور عرف فقہ کے بہت سارے مسائل میں انہی کی طرف رجوع ہوتا ہے حتی کہ فقہاء نے اس کو مسائل کے حل کیلئے اصل بنایا۔ اور باب ما تترک به الحقیقة کے اصول میں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ حقیقت کو استعمال اور عادت کے دلالت پر بھی ترک کیا جائے گا۔

عرف کی وجہ سے احکامات میں تبدیلی :- یہی وجہ ہے کہ جب احکامات کو صاحب مذہب نے اپنے زمانہ کے احوال پر بنیاد رکھ کر صراحۃً بیان کئے تھے وہ زمانہ بدلنے کے وجہ سے بدل جاتے ہیں چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں ثم اعلم ان کثیرا من الاحکام التی نص علیها المجتهد صاحب المذهب بناءً علی ما کان فی عرفه و زمانه قد تغیرت بتغیر الازمان بسبب فساد اهل الزمان او عموم الضرورة کما قد مناه (شرح عقود رسم المفتی ص ۹۵)

اسی طرح رسائل ابن عابدین میں تغیر زمانہ کی وجہ سے احکام کی تبدیلی بیان کرتے ہوئے یوں لکھا گیا ہے قوله (فاعلم ان المتأخرین الذین خالفو المنصوص فی کتب المذهب فی المسائل السابقة لم یخالفوه لتغیر الزمان و العرف وعلمهم ان صاحب المذهب لو کان فی زمنهم لقال بما قالوه مما یستخرج به الحق من ظالم او یدفع دعوی متعنت و نحوه بعدم سماع دعواه او بحبسه اونحوه (رسائل ابن عابدین ص ۱۲۹ ج ۲ رسالہ نشر العرف فی احکام العرف)

اس کے بعد یہ بات جاننی چاہئے کہ بہت سے وہ احکام جو صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانے کے احوال پر بنیاد رکھ کر صراحۃ بیان کئے تھے وہ زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل گئے ہیں اور زمانہ کی تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عام ضرورت پیش آجانے کی وجہ سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

عرف وعادت کے تبدیلی کے چند نظائر:-

العادة محکمة عادت حکم (فیصلہ) کرنے والی ہے۔صاحب ایضاح القواعد فرماتے ہیں کہ اس قاعدہ کے اصل ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ہے۔ حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں لکھا ہے کہ اس کو امام احمد نے کتاب السنۃ میں حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو مسند امام احمد کیطرف منسوب کیا ہے یہ ان کا وہم ہے۔عجلونی کہتے ہیں کہ یہ موقوف حسن ہے جس کی تخریج حافظ ابونعیم نے حلیہ میں بیہقی نے الاعتقاد میں اور بزاز، طیالسی اور طبرانی نے بھی حضرت ابن مسعودؓ سے کی ہے فقہاء نے عادت کی دو قسمیں بیان کی ہیں کلی عادت اور بدلنے والی عادت۔کلی عادتیں وہ ہیں جو کسی زمانہ اور کسی مقام میں نہیں بدلتی۔ جیسے کھانا پینا، سونا، جاگنا، خوشی، غمی، ملائم کی رغبت منافر سے تنفر، لذائذ کا استعمال اور ضرر رساں اشیاء سے پرہیز کرنا وغیرہ یہ چونکہ طبعی اور فطری میلانات ہیں اس لئے نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی گنجائش ہے بدلنے والی عادتیں وہ ہیں جن میں مقام وزمانہ اور حالات کے لحاظ سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے جیسے لباس کی وضع قطع مکان کی ساخت کام میں سنجیدگی وقناعت عجلت وتاخیر اور سختی ونرمی وغیرہ جیسے امور ہیں جس میں عادت کو حکم مانا گیا ہے چنانچہ فقہاء حالات ومقامات اور زمانہ کے لحاظ سے ان میں فیصلہ کا حکم دیتے ہیں۔اور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ والوں پر مسلط نہیں کرتے۔ اور نہ ایک دور کے حکم کو ہمیشہ کیلئے واجب قرار دیتے ہیں۔قاعدہ مذکورہ سے مستنبط ہونے والے چند مسائل یہ ہیں۔

(1) باب طلاق میں صریح وغیر صریح الفاظ کی بابت جہاں جیسی عادت ہوگی اسکے مطابق فیصلہ ہوگا۔

(2) ایمان (قسموں) کی باب میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے تصفیہ میں عرف ورواج کا لحاظ ہوگا۔

(3) مختلف پیشہ وروں کے مقامات میں ہر پیشہ والے کی عادت کا اعتبار ہوگا۔

(4) مہر کا معجّل یا مؤجل ہونا اس جگہ کے عام دستور پر محمول ہوگا۔

(5) علامات بلوغ ظاہر نہ ہونے کی صورت میں بلوغ کی مدت مقرر کرنے کیلئے حالات ومقامات کا لحاظ ضروری ہوگا۔

(6) یوم شک میں اس شخص کیلئے روزہ کی اجازت ہوگی جو اس تاریخ میں روزہ رکھنے کا عادی ہو۔

(7) قاضی کیلئے اس شخص کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہوگا جو اسکو قاضی ہونے سے پہلے بھی ہدیہ دیتا تھا وغیرہ (مقدمہ غایۃ السعایۃ)

چونکہ عرف وعادت کے مطابق فیصلہ اسی وقت ہوتا ہے جب نص صریح اس کے خلاف موجود نہ ہو اس لئے قاعدہ مذکورہ کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا قاعدہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے اور وہ قاعدہ یہ ہے **العادۃ تجعل حکماً اذالم یوجد التصریح بخلافہ** عادت کو اس وقت حکم کہا جائے گا جب اس کے خلاف تصریح موجود نہ ہو مثلاً ایک شخص نے کسی کے سامنے کھانے کا دستر خوان لگایا۔ اور صراحت کے ساتھ کہدیا کہ مت کھاؤ۔ تو یہاں عادت کا اعتبار نہ ہوگا۔

عرف وعادات کے تبدیلی کی وجہ سے صاحب مذہب کے قول سے مخالفت چند نظائر وامثال:-

جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے صراحتاً بیان فرمایا کہ تغیر ازمنہ کی وجہ سے احکامات بھی بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے تقریباً 22 مسائل ذکر کئے ہیں۔ جسمیں تغیر وتبدل واقع ہو چکا ہے۔

۱۔ مثلاً تعلیم قرآن پر اجرت کے مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ سے اپنے عرف کیمطابق عدم جواز کا قول وفتویٰ مروی ہے لیکن تغیر حالات کی وجہ سے متاخرین نے جواز پر فتویٰ صادر فرمایا اور محققین نے اس رائے کو قبول کر کے مفتی بہ قرار دیا، حالانکہ فتویٰ امام ابوحنیفہ کی تصریح کے خلاف ہے۔ اسی طرح شہادت میں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ گواہ کی ظاہری عدالت کافی ہے۔ اسکی تفتیش ضروری نہیں، لیکن متاخرین نے حالات اور ان کے تقاضوں اور لوگوں کی عادت پر نظر رکھ کر صرف ظاہری عدالت کو ناکافی سمجھا اور فتویٰ دیا کہ شاہد کی ظاہری عدالت کافی نہیں بلکہ اسکی سراً تفتیش کیا جائے محققین نے اس پر فتویٰ دیا ہے حالانکہ یہ فتویٰ صاحب مذہب کی تصریح کے خلاف ہے

۲۔ اکراہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ بادشاہ کے علاوہ کسی کی اکراہ معتبر نہیں، امام صاحب کا ارشاد اپنے زمانہ کے احوال پر مبنی ہے لیکن جب بگاڑ بڑھ گیا اور گورنمنٹ کے علاوہ سے بھی اکراہ شروع ہونے لگا، تو امام محمد نے اس کو بھی اعتبار دیا اور متاخرین نے عرف وحالت کے پیش نظر امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا۔

۳۔ اسی طرح کاشتکار کو اس شرط پر زمین دینا کہ فصل کا دیکھ بال اسکی کٹائی اسکو تھریشر کرنا اور گندم وغیرہ کو صاحب زمین کے

گھر لانا وغیرہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فصل کے پکنے تک جملہ ذمہ داری کاشتکار پر ہے مگر پکنے کے بعد ذمہ داری دونوں پر عائد ہوتی ہے۔امام قاضی ابو یوسف نے حالات وعرف الناس کو دیکھ کران جملہ شرائط کو جائز قرار دیا۔حالانکہ یہ فتوی صاحب مذہب کے عین خلاف ہے۔لیکن متاخرین نے حالات کی وجہ سے اور تعامل کی وجہ سے قاضی صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے اسکے علاوہ بھی کافی مثالیں ہیں۔

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عرف بار بار بدلتا ہو تو کیا احکامات بھی بدلتے رہینگے؟

جواب: علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں **نعم فان المتأخرين الذين خالفو المنصوص فى المسائل المارة لم يخالفوه الالحدوث عرف بعد زمن الامام فللمفتى اتباع العرف الحادث فى الالفاظ العرفيه و كذا فى الاحكام التى بنا ها المجتهد على ماكان فى عرفه و تغير عرفه الى عرف اخر اقتدآء بهم** (شرح عقود رسم المفتی ص ۹۷) میں کہتا ہوں جائز ہے کیونکہ وہ متاخرین جنہوں نے مذکورہ بالا مسائل میں مصرح احکام کی مخالفت کی ہے وہ امام صاحب کے زمانہ کے بعد نیا عرف پیدا ہونے کیوجہ سے کی ہے،لہذا عرفی الفاظ میں مفتی نئے عرف کی پیروی کرے گا اس طرح ان احکام میں جن کا مدار مجتہد ہے اپنے زمانے کے عرف پر رکھا ہے اور وہ عرف بدل گیا ہے اور نیا عرف پیدا ہو گیا ہے تو مفتی انہیں حضرات کی اقتداء میں نئے عرف کا اعتبار کرے گا۔

عرف کا اعتبار کب:- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بھی عرف معتبر ہو تو احکامات تبدیل ہونگے،علامہ ابن عابدین اسکے حل کے بارے میں فرماتے ہیں **والحاصل ان العرف العام لا يعتبر اذالزم منه ترک المنصوص.قال فى الاشباة.العرف غير معتبر فى المنصوص عليه. قال فى الظهريه من الصلاة و كان محمد بن الفضل يقول السرة الىٰ موضع نبات الشعر من العانة ليست بعورة لتعامل العمال فى الابداء عن ذلک الموضع عند الاتزار وفى النزع عن العادة الظاهرة نوع حرج و هذا ضعيف و بعيد لأن التعامل بخلاف النص لا يعتبر** (رسائل ابن عابدین ص ۱۱۰) الغرض یہ تمام تر تغیر اس وقت ہے جب عرف عام سے منصوص حکم کا ترک کرنا لازم نہ آتا ہو اگر چہ تخصیص نص میں معتبر ہوگا،اور عرف خاص دونوں مواقع میں معتبر نہیں یعنی ہر جگہ عرف کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ جہاں ترک منصوص لازم آتا ہے وہاں عرف کو نہیں دیکھا جائے گا۔جیسا کہ آجکل بیمہ،غیر شرعی ٹیکس،سود وغیرہ۔اگر چہ عام ہو چکے ہیں اور ہر کس وناکس اس میں مبتلا ہے لیکن پھر بھی اس عرف کی وجہ سے سود،،غیر شرعی ٹیکس،یا قمار بازی وغیرہ حلال نہ ہونگے۔

عرف کی قسمیں:- علامہ ابن عابدین نے عرف کی دو قسمیں لکھی ہیں۔۱۔عرف عام ۲۔عرف خاص (شرح عقود رسم المفتی)

جبکہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے **هى انواع ثلاثة العرفيه العامة كوضع القدم و العرفية الخاصه كاصطلاح كل طائفة مخصوصة (كالرفع للنحاة) والفرق والجمع والنقض للنظار والعرفية الشرعية كاالصلوٰة والنكاح والحج** (الأشباہ والنظائر ۲۹۶/۱) عرف کی تین انواع ہیں عرف عام جیسے وضع قدم عرف خاص جیسے ہر گروہ کی اپنی مخصوص اصطلاح جیسے نحات کا رفع عرف شرعی جیسے نماز،زکوۃ،حج وغیرہ اگر چہ اس کا لغوی معنی کچھ اور ہے۔

مفتی کو صرف ظاہر مذہب پر فتوی نہیں چاہئے:- جیسا کہ گزشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ عرف کا شرعی احکام میں کتنا دخل ہے، بلکہ علامہ ابن عابدین نے یہاں تک لکھا ہے **من جهل بأهل زمانه فهو جاهل** (شرح عقود رسم المفتی) جو اپنے اہل زمانہ کے معاملات سے بے خبر ہے تو وہ جاہل ہے۔ اسی طرح قنیہ میں ہے **ليس للمفتي ولا للقاضي ان يحكما علىٰ ظاهر المذهب و يتركا العرف وكذا قوله وهذا صريح فيما قلنا ان المفتي لا يفتي بخلاف عرف زمانه** (عقود رسم المفتی ص ۴۰۱) قنیہ میں ہے کہ مفتی اور قاضی کیلئے درست نہیں کہ عرف زمانہ سے صرف نظر کر کے صرف ظاہر مذہب پر فیصلہ دیں۔ اس سے صراحتاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مفتی اپنے عرف زمانہ کے خلاف فتوی نہ دیں۔

عرف کی تبدیلی سے مفتی کو واقف ہونا چاہئے:- **قوله فللمفتي اتباع العرف الحادث في الالفاظ العرفية** (ایضاً) مفتی کو چاہئے کہ وہ رسم ورواج زمانہ کی اپنے الفاظ عرفیہ میں رعایت کرے۔ اس کے علت ابن عابدینؒ نے یہ بیان کیا ہے **قوله وظهر لك ان جمود المفتي او القاضي علىٰ ظاهر المنقول مع ترك العرف او القرائن الواضحة والجهل باحوال الناس يلزم منه تضيع حقوق كثيرة و ظلم خلق كثير** (ایضاص ۴۱) جو کچھ عرض کیا گیا اس سے آپ پر یہ بات عیان ہو چکی ہوگی کہ اگر مفتی اور قاضی نے عرف عام اور قرائن واضحہ کو ترک کر دیا اور لوگوں کے حالات سے بے خبر رہا اور ظاہر پر جمار ہا تو پھر یقین کر لینا چاہئے کہ اس طرح بہت سے حقوق ضائع کرنا اور بہت لوگوں پر ظلم کرنا لازم آئے گا۔

اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ قضاء کے مسئلہ میں قاضی ابو یوسف کے قول پر فتوی دینا چاہئے کہ وہ خود قاضی تھے اور اس قسم کے مسائل سے ان کا واسطہ پڑا ہے اور اس میں ان کو کافی تجربہ تھا۔ امام محمد کردی کے بارے میں ابن عابدین نے شرح عقود میں لکھا ہے کہ امام محمد سنگریز کے پاس جاتے تھے۔ اور ان سے ان کے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔ علماء کرام نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے۔

کہ اگر زمین والا اپنی زمین میں عمدہ چیز کی کاشت کی قدرت کے باوجود معمولی چیز بوئے تو اس کے ذمہ اعلی کاشت کا محصول واجب ہے (ھدایہ)

اگرچہ ظاہر مذہب کے ہونے کی وجہ سے اس پر فتوی دینا چاہئے لیکن علماء کرام نے اس پر فتوی سے منع کیا ہے چنانچہ علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ **هذا تعريف ولا يفتى به كي لا يتجرأ الظلمة، علىٰ اخذ اموال الناس** (ھدایہ علیٰ صدر فتح القدیر ۲۸۵/۵) اس مسئلہ کو جاننا چاہئے لیکن اس پر فتوی نہیں دینا چاہئے تاکہ ظالم حکام لوگوں کے اموال لینے میں بے باک نہ ہو جائیں۔

اعتراض :- صاحب ھدایہ کے اس قول پر (ولذا یفتی بہ) اعتراض وارد ہوا ہے کہ اس میں کتمان ہے، اگر بالفرض وہ لے بھی، تو انہوں نے اس کو ظلم نہیں کہا ہے۔ انہوں نے وہ کچھ لیا جو کاشتکاروں کے ذمہ واجب تھا۔

جواب صاحب عنایہ علامہ کمال الدین اس کے جواب میں فرماتے ہیں **لو أفتینا بذالک لادعیٰ فی ارض لیس شانھا ذالک انھا قبل ھذا کانت تزرع الزعفران فیا خذخراج ذالک وھو ظلم و عدوان** (العنایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ۲۵/۵/۱) اگر ہم یہ فتویٰ دیں گے تو ہر ظالم ایسے زمین کے بارے میں جو اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے یہ دعویٰ کرے گا کہ اس میں پہلی مثال کے طور پر زعفران کی کاشت ہوتی تھی اور وہ اس کا محصول مانگے گا، اور یہ ظلم وزیادتی ہے۔

علامہ ابن ہمام بھی فرماتے ہیں **وقالولا یفتی بھذا لمافیہ من تسلط الظلمۃ علی اموال الناس اذید عی کل ظالم ان الارض تصلح للزراعۃ الزعفران و نحوہ و علاجہ مشکل** (فتح القدیر ۶۸۵/۵) یہ فتویٰ دینے کی صورت میں ظاہر حکام مسلمانوں کے اموال پر مسلط ہو جائیں گے ہر ظالم دعوی کرے گا کہ یہ زمین زعفران اور اس جیسی چیزوں کے قابل ہے اور اس کا علاج دشوار ہے الغرض یہ بات واضح ہوئی کہ مفتی یا قاضی صرف ظاہر مذہب کی روایت پر اکتفا کرے اور نہ اسپر جمار ہے ایسا کرنے سے بہت سارے حقوق ضائع ہو جائیں گے اسلئے مفتی وقاضی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات اور عرف سے باخبر ہو۔

سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ''

کے نگارش نگاروں کے خدمت میں چند گزارشات

سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ'' چونکہ خالص علمی، تحقیقی مجلہ ہے۔ محققین اور مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی تحریری کاوش ارسال کرتے وقت درج ذیل امور کو ملحوظ رکھیں

(1) مضمون صاف اور کاغذ کے ایک طرف ہو۔

(2) مضمون کسی دوسرے رسالہ، اخبار وغیرہ میں شائع نہ ہو۔ البتہ مزید اضافہ وترمیم ہو تو اس کا حوالہ دے کر بھیجا جاسکتا ہے۔

(3) سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ'' کا مضمون مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہو۔

(4) علمی اور تحقیقی مضمون لکھتے وقت اس امر کا اہتمام ضروری ہے کہ قاری کو تحریری کاوش کے مآخذ اور مصادر سے آگاہ کیا جائے۔ اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ مضمون کے آخر میں ترتیب کے ساتھ حوالہ جات کا مکمل ذکر کیا جائے۔ اور اگر مناسب ہو تو مزید توضیحی نقاط کا اندراج بھی کیا جائے۔

درج بالا امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر آپ سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ'' کے مستقل مضمون نگار یا مقالہ نگار بن سکتے ہیں تو ''المباحث'' کے صفحات آپ کیلئے حاضر خدمت ہیں۔

نوٹ:- سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ'' کے معیار کے مطابق زیادہ ترجیح اس مضمون کو ہوگا جو جدید سائنس سے پیدا شدہ مسائل کے حل کے متعلق ہو کیونکہ سہ ماہی ''المباحث الاسلامیہ'' کا اجراء اسی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ (ادارہ)